شریعت، طریقت اور اجتماعیت پر مبنی دینی شعور کا نقیب

ماہنامہ رحیمیہ لاہور

زیر سرپرستی: حضرت اقدس مولانا
شاہ سعید احمد
رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ
مسند نشین سلسلہ عالیہ رحیمیہ رائے پور

دسمبر 2009ء / ذی الحج ۱۴۳۰ھ | رجسٹرڈ نمبر R-123 | جلد نمبر 1 | شمارہ نمبر 11 , 12

ترتیب عنوانات

سلسلہ نمبر ۱۲

1 درسِ قرآن............تشریح: خواجہ عبدالحیٔ فاروقیؒ 2
2 درسِ حدیث............ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن 2
3 اداریہ............مدیر اعلیٰ 3
4 ایک مثالی معاشرے کے قیام کے تقاضے............محمد عباس شاد 3
5 جمعۃ المبارک............مفتی عبدالخالق آزاد 4
6 رفتارِ کار............عتیق الرحمٰن (ایڈووکیٹ) 5
7 انبیاء کی بعثت کا اساسی مقصد؛ آزادی کا حصول............ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن 6
8 دینی مسائل............مفتی عبدالغنی قاسمی 8

ماہنامہ "رحیمیہ" کی ممبر شپ

قیمت فی شمارہ: مبلغ 10 روپے   سالانہ ممبر شپ فیس: مبلغ 150 روپے

سالانہ ممبر شپ کے لئے ترسیل زر کا پتہ: "ناظم دفتر ماہنامہ "رحیمیہ" رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئینز روڈ، لاہور"۔ تمام ممبران کو رسالہ براہِ راست ڈاک کے ذریعہ سے ارسال کیا جاتا ہے، اس لئے اپنا پتہ صاف اور خوشخط لکھ کر بھیجیں۔ ماہنامہ "رحیمیہ" ہر مہینہ کی 3 اور 4 تاریخ کو سپردِ ڈاک کر دیا جاتا ہے۔ نہ ملنے کی صورت میں مہینہ کی 10 تاریخ کے بعد رابطہ کریں۔

مدیر اعلیٰ مفتی عبدالخالق آزاد طابع و ناشر نے
اے۔ جے پرنٹرز 28/A نسبت روڈ، لاہور سے چھپوا کر
دفتر ماہنامہ "رحیمیہ"، رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئینز روڈ، لاہور سے شائع کیا۔

مجلس ادارت

صدرِ مجلس: ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن
مدیر اعلیٰ: مفتی عبدالخالق آزاد
مدیر: محمد عباس شاد

مجلس مشاورت

حضرت مولانا مفتی عبدالمتین نعمانی (بورے والا)
حضرت مولانا مفتی عبدالقدیر (چشتیاں)
حضرت مولانا مفتی عبدالغنی قاسمی (لاہور)
حضرت مولانا محمد مختار حسن (نوشہرہ)
حضرت مولانا پروفیسر حسین احمد علوی (چشتیاں)
حضرت مولانا صاحبزادہ رشید احمد (ڈیرہ اسماعیل خاں)
محترم محمد اسلوب قریشی (لاہور)
محترم سید مطلوب علی زیدی (لاہور)
حضرت مولانا مفتی محمد اشرف عاطف (سعودی عرب)
محترم سید اصغر علی شاہ بخاری (پیر جو گوٹھ)
محترم ڈاکٹر لیاقت علی شاہ معصومی (سکھر)
محترم سید سیف الاسلام خالد (راولپنڈی)
محترم ڈاکٹر عبدالرحمٰن راؤ (سرگودھا)
محترم انجینئر آفتاب احمد عباسی (کراچی)
حضرت مولانا قاری تاج افسر (اسلام آباد)
حضرت مولانا محمد ناصر عبدالعزیز (جھنگ)
حضرت مولانا قاضی محمد یوسف (حسن ابدال)
حضرت مولانا عبداللہ عابد سندھی (شکارپور)

برائے رابطہ
رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور
فون: 0092-42-36307714/36369089
Web:www.rahimia.org

شعبہ مطبوعات
ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

www.rahimia.org

درسِ قرآن

راہِ حق کی مشکلات

تشریح: خواجہ عبدالحیٔ فاروقیؒ

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۭ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَاۗءُ وَالضَّرَّاۗءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ۝ (۲:۲۱۴)

ترجمہ: ’’کیاتم خیال کرتے ہو کہ جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ تم کو ان لوگوں کی سی حالت پیش نہیں آئی جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں، ان کو سختیاں بھی پہنچیں اور تکلیفیں بھی اور جھڑجھڑائے بھی گئے، یہاں تک کہ پیغمبر اور ایمان والے جو اِن کے ساتھ تھے، پکار اُٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی، سُن لو اللہ کی مدد قریب ہے‘‘۔

اے مسلمانو! تم دنیا کے اختلافات مٹانے کے لئے آئے ہو، اور تمہیں خلافت ارضی کے لئے چُن لیا گیا ہے، مگر کیا اس بہشت زار اَرضی میں بغیر کسی محنت و تکلیف کے داخل ہو جاؤ گے، حالانکہ ابھی ان مشکلات و موانع کی ابتدا بھی نہیں ہوئی، جو انبیاء و رُسل کو راہِ حق و صدق میں پیش آتی ہیں، تاریخ شاہد ہے کہ ان ارباب صدق وصفا کو چاروں طرف سے مصیبتوں نے گھیر لیا، غنیم (دُشمن) کی فوجیں محاصرہ کئے ہوئے تھیں، قدم قدم پر دشمن کا خوف دامن گیر تھا، جان کے لالے پڑے ہوئے تھے، سامانِ خوراک کے تمام ذرائع و وسائل مسدود تھے، بھوک اور پیاس کے مارے تڑپ رہے تھے، یہ تو بیرونی تکلیفوں کی حکایت تھی، ادھر گھر میں اختلاف پیدا ہوگیا، پریشانی واضطراب کی وجہ سے کم ہمتوں میں بزدلی اور نامردی کے آثار ظاہر ہونے لگے، اوران میں باہمی منازعت شروع ہوگئی، آپس میں لڑنے جھگڑنے کی وجہ سے سب کے سب مصیبت میں مبتلا ہوگئے، مگر باوجود ان روح فرسا حالات اور اَلم ناک حوادث کے رسولؐ اور اس کے اعوان و انصار اپنے فرائض ادا کرنے میں برابر مصروف رہے، جب ان کی تمام سعی و کوشش ختم ہوگئی، اور انہوں نے کام کرنے میں کوئی کسر باقی نہ رکھی، ادھر خارجی اعانت کی بھی کوئی توقع نہ رہی تو نہایت ہی الحاح و تضرع کے ساتھ پکار اُٹھے کہ خداوندا! اب تیری مدد کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہیں، تو اپنا دستِ اِعانت دراز کر، اور ہمارے مخالفین کو تباہ کر، اس وقت چارہ ساز حقیقت نے ان کی دست گیری کی، اور انہیں کامیاب کردیا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دو مختلف اصول بیان کئے ہیں، پہلا قاعدہ یہ ہے کہ راہِ حق میں تکالیف کا آنا ضروری ہے، اس کے بغیر کامیابی نہیں ہوسکتی، سورۂ عنکبوت میں فرمایا: ’’کیا لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ چھوٹ جائیں گے، اتنا کہہ کر کہ ہم ایمان لائے اور ان کی جانچ نہ ہوگی اور ہم نے جانچا ہے ان کو جو اِن سے پہلے تھے، سو البتہ اللہ معلوم کرے گا جو لوگ سچے ہیں، اور البتہ جھوٹوں کو معلوم کرے گا‘‘۔ (۲۹:۲و۳) ایک جگہ آیا: ’’اللہ نے خرید لی مسلمانوں سے اُن کی جان اور ان کا مال، اس قیمت پر کہ ان کے لئے جنت ہے، لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں پھر دشمن کو مارتے ہیں اور مرتے ہیں‘‘۔ (۹:۱۱۱)

دوسرے یہ حقیقت واضح کردی کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت کس وقت نازل ہوا کرتی ہے؟ جب تک ایک شخص اپنی تمام قوتوں کو اس کی راہ میں وقف نہ کردے، مدد نہ آئے گی، اسی قانون کی طرف سورۂ یوسف میں اشارہ کیا: ’’یہاں تک کہ جب نا اُمید ہونے لگے رسول اور خیال کرنے لگے کہ شاید ان سے جھوٹ کہا گیا تھا، پہنچی اُن کو ہماری مدد، پھر بچادیا جن کو ہم نے چاہا، اور ہمارا عذاب گناہ گار قوم سے نہیں پھرتا‘‘، (۱۲:۱۱۰) سورۂ آل عمران کے آخر میں گناہوں کے کفارہ کی نسبت فرمایا کہ اس وقت ہوتا ہے جب وہ راہِ حق میں ہر چیز قربان کردیتے ہیں: ’’پھر وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کی، اور نکالے گئے اپنے گھروں سے اور ستائے گئے میری راہ میں اور لڑے اور مارے گئے، البتہ میں ان سے ان کی بُرائیاں دور کردوں گا‘‘ (۳:۱۹۵) اس لئے فرزندانِ اسلام کے لئے ضروری ہے کہ وہ محض دعا کے بھروسہ پر قناعت نہ کربیٹھیں، بلکہ زورِ بازو سے بھی کام لیں، لوگوں کے جھوٹے وعدوں پر نہ جائیں، اپنی قوت کا اظہار کریں اس لئے کہ دنیا میں اسی قوم نے دائمی زندگی حاصل کی ہے، جس نے اپنے ہاتھ پاؤں سے کام لیا ہو، قدرت بھی اسی کو زندہ رکھتی ہے جو اصلح (زیادہ بہتر) و امثل (زیادہ عمدہ) ہے۔

درسِ حدیث

ریاکاری پر مبنی نیک عمل کی حقیقت

تشریح: ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن

عن سعید بن جبیر عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم من سمّع سمّع اللّٰہ به و من رأیا رأیا اللّٰہ به. (رواہ مسلم فی صحیحہ)

’’عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص لوگوں کو سنانے کے لئے نیک کام کرے گا، اللہ تعالیٰ بھی قیامت کے دن اس کی ذلت لوگوں کو سنادے گا اور جو شخص ریا کرے گا اللہ تعالیٰ بھی اس کو دکھلادے گا (یعنی صرف ثواب دکھلادے گا، لیکن ملے گا کچھ نہیں تاکہ صرف حسرت ہی حسرت ہو)‘‘۔

اس حدیث میں ’’ریاء‘‘ یعنی ان اعمال کی حقیقت بتلائی گئی ہے، جو انسان دوسروں کو دکھانے کے لئے کرتا ہے کہ ریاء شرکِ صغیر اور شرکِ خفی ہے، کیوں کہ انسان جب کوئی نیک عمل رضائے خداوندی اور خدمت انسانیت کے جذبہ سے سرشار ہوکر کرتا ہے تو وہ درحقیقت دین کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے، لیکن جب اس میں انسان کی ذاتی اغراض شامل ہوجائیں تو وہ اس امر کی علامت ہے کہ اس نے موقع پرستی کی راہ اختیار کرلی ہے۔ گو وہ بظاہر نیک عمل کررہا ہے، لیکن اس کے پس منظر میں اس کی نیت یہ ہے کہ وہ اس عمل کے ذریعہ معاشرے میں اپنا اچھا تأثر قائم کرے اور یوں اپنی نیک نامی کے ذریعہ ذاتی مفادات حاصل کرے۔

درحقیقت اس قسم کے افراد کا دین کے بارے میں رویہ سطحی اور رسمی ہوتا ہے اور جب معاشرے پر حقیقی دین کی بجائے رسمی مذہبیت کی گرفت ہوتی ہے، تو موقع پرست، منافع خور اور سماج دشمن عناصر رسمی مذہبیت کی آڑ میں معاشرتی استحصال میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے کہ ان کی ظاہری ہیئت و کردار کی وجہ سے کوئی بھی انہیں مذہب سے بے بہرہ کہہ نہیں پاتا، حالانکہ حقیقت میں وہ دین کے حقیقی تقاضوں کے منکر اور فطری قوانین اور قرآنی ضابطوں کے باغی ہوتے ہیں۔ ریاء اور خودنمائی کا منفی جذبہ درحقیقت انفرادی سوچ سے جنم لیتا ہے کہ انسان اپنی ہی ذات کو محور بنالیتا ہے اور اجتماعی کاموں کی ذمہ داری سے اپنے آپ کو بالاتر سمجھنے لگتا ہے اور ہر قدم پر وہ اپنے ذاتی مفادات کو ہی مقدم رکھتا ہے، اس لئے ایسا شخص کبھی معاشرہ کے اجتماعی مفاد کے لئے کسی قسم کی قربانی دینے کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ قرآن حکیم میں بھی ایسے نمازیوں کے لئے ہلاکت کی وعید ہے جو اپنی نمازوں سے بجائے رضائے خداوندی کے حصول کے معاشرہ میں اپنی نیک نامی کے خواہاں ہیں اور دوسری طرف انسانی حقوق کے سلسلہ میں اتنے بخیل واقع ہوئے ہیں کہ عام استعمال کی اشیاء تک دوسروں کو دینا گوارا نہیں کرتے۔

اس حدیث میں ریاکاری میں مبتلا افراد اور معاشرہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلانِ بیزاری ہے اور یہ کہ جو شخص نیک عمل میں بجائے رضائے الٰہی، جس ذاتی نوعیت کے مادی فائدہ کو ملحوظ رکھے گا، گویا اس کو خدا کے ساتھ شریک کرے گا، تو اللہ تعالیٰ اس شخص کو اس کی اغراضِ فاسدہ کے حوالہ کردے گا، یعنی نیک نامی اور حصول شہرت کے لئے جو کوئی کام کرے گا تو اس کا نتیجہ ازروئے حدیث یہ ہوگا کہ اس کا وہ مقصد پورا کردیا جائے گا، لیکن انجام کار جب عوام الناس میں شعور آئے گا تو وہ ان کی نظروں میں بے وقعت ہوکر رہ جائے گا اور یوں حصول شہرت کی خاطر کیا جانے والا نیک عمل بالآخر اس کی بدنامی اور رسوائی کا باعث بنے گا۔

اور اگر ایسا کوئی شخص اس دنیا سے نیک نام چلا بھی گیا تو قیامت کے روز تو بہرکیف تمام ریاکاروں کی برسرِ عام رُسوائی ہوگی اور یہ واضح کردیا جائے گا کہ یہ وہ لوگ ہیں، جو رہبروں کے لباس میں رہزن یا بھیڑوں کی کھال میں بھیڑیئے تھے۔ ریاکاری درحقیقت اس معاشرہ کا ایک روگ ہے جو منافقت کا شکار اور جس میں قول و عمل کا تضاد ایک معمول سمجھا جاتا ہے، جہاں معاشرہ کے بالادست طبقات اپنی حرص و ہوس کی خاطر عوام الناس کو مختلف سبز باغ دکھلاتے رہتے ہیں اور یوں وہ اصلاح کے نام پر فساد کے عمل کو آگے بڑھاتے رہتے ہیں اور اپنی خوش بیانیوں کا اچھا تأثر قائم کرکے ’’کاردیگر‘‘ میں مصروف رہتے ہیں۔ ریاکاری چونکہ جاہ پرستی کے منفی جذبہ سے پیدا ہوتی ہے، اس لئے زُہد کے مفہوم میں سرمایہ پرستی کی طرح جاہ پرستی سے بھی احتراز کرنا شامل ہے۔

www.rahnuma.org

تعمیر وترقی کی درست حکمت عملی

کسی بھی قوم کی ترقی کا سفر ایک طویل عرصہ تک رُکا رہے، تو اس کو باقی اقوام کے برابر لانے اور ترقی کے راستہ پر گامزن کرنے کے لیے انقلابی حکمت عملی تیار کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یعنی (۱) معاشرے کی تشکیل کے لیے پوری قوم کا ایک نظریہ پر مکمل یکسوئی اور وحدتِ فکری حاصل کرنا، (۲) ایک ایسا مربوط اور منظّم لائحہ عمل طے کرنا، جو بتدریج ترقی کے حوالے سے اپنے مقاصد کے حصول کے لیے وضع کیا گیا ہو، (۳) ایک ایسی منظّم جماعت تشکیل دینا جو پوری پختگی اور عزم و حوصلے کے ساتھ اپنے نظریہ پر صبر و استقامت کے ساتھ کام کرے، اور اپنے طے کردہ لائحہ عمل کے مطابق بتدریج آگے بڑھنے کا ہنر جانتی ہو۔ اور اس کی قیادت پختہ عزم، صبر واستقلال اور پوری مہارت اور سلیقہ کے ساتھ قومی ترقی کے لیے بھرپور کردار ادا کرے۔ اس انقلابی لائحہ عمل سے قوم کی ترقی کا سفر دوبارہ شروع کیا جاسکتا ہے۔ جن زوال پذیر قوموں نے اس طور پر آگے بڑھنے کا طریقہ کار طے کیا، وہ خود ترقی سے ہمکنار ہوئیں۔ بلکہ دوسری اقوام کے لیے مشعلِ راہ بن کر تاریخ میں ایک بلند مقام حاصل کیا۔

یوں تو تاریخ میں ہر ایک قوم نے اپنے آپ کو زوال سے نکالنے کے لیے اس انقلابی لائحہ عمل کو اپنے پیش نظر رکھا، حالیہ دور میں اس کی بڑی مثال ہمارا پڑوسی ملک چین ہے، جس نے ہم سے دو سال بعد آزادی حاصل کی، اپنی آزادی سے قبل چینی معاشرہ داخلی کمزوری اور خارجی تسلط کی بناء پر صدیوں سے زوال کی حالت میں تھا، ہم سے بدتر حالت میں تھا، چینی قوم نے انقلابی لائحہ عمل اپنا کر زوال کے دور کی فرسودگی کو ختم کیا، اور ترقی کی ایسی شاہراہ پر اپنے آپ کو گامزن کیا، جس نے اسے قوموں کی زندگی میں ممتاز مقام دلوانے میں اہم کردار ادا کیا۔ ابھی گزشتہ ماہ چینی قوم نے یکم اکتوبر 2009ء کو اپنا 60 سالہ یوم آزادی بڑے تزک و احتشام سے منایا، اور اپنی سیاسی طاقت، اقتصادی قوت اور سماجی وحدت کا بھرپور اظہار بڑی توانائی اور مکمل جوش و جذبہ سے کیا، اور آج دنیا تسلیم کر رہی ہے کہ نشہ کی حالت میں مبتلا اور زوال کی حالت میں رہنے والی قوم محض ساٹھ سال کے عرصے میں دنیا کی ترقی یافتہ قوم کے طور پر اپنا وجود اقوام عالم سے منوا رہی ہے۔ گویا سماجی ترقی کا جو سفر یورپ، اور امریکہ نے دو ڈھائی سو سال میں طے کیا، وہ سفر انقلابی لائحہ عمل کی بدولت چینی قوم نے ساٹھ سال میں طے کر لیا۔ اس سے واضح طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ قوموں میں زوال اور غلامی کے اثرات کو ختم کرنے کا راستہ محض اصلاحی عمل کے ذریعے نہیں ہوا کرتا، بلکہ ایسے حالات میں انقلابی لائحہ عمل کی ضرورت ہوتی ہے۔

اس تناظر میں ہم اپنے ملکی حالات اور سماجی کردار کا جائزہ لیں تو گزشتہ 62 سالوں سے ہم اصلاحات کے نام پر دائروں کا سفر کر رہے ہیں، جو گرداب میں پھنسنے کے مترادف ہے۔ ہم نے انقلابی لائحہ عمل اپنانے کا طریقہ اختیار نہیں کیا۔ ہم نے سیاسی، سماجی، معاشی حوالے سے غلامی کے دور کے نظام میں محض اصلاح کا عمل اختیار کیا، حتی کہ مذہب کو بھی محض رسمی اور اصلاحی عمل کے حوالے سے دیکھا۔ اور دین اسلام کے انقلابی کردار کو پیش نظر نہیں رکھا، جس کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے کہ 62 سال گزارنے کے باوجود نظریاتی ابہام، فکری ژولیدگی، سیاسی انتشار اور معاشی جبر واستحصال کی گرداب میں مبتلا ہیں۔ قابل غور بات یہ ہے کہ ایک قوم غیر دینی نظریہ پر پُر جوش انقلابی عمل کر کے کامیاب ہے اور دین اسلام کی انقلابی تعلیمات رکھنے والی قوم پژمردگی، رسمیت، تشدد، انتشار اور زوال کی حالت میں زندگی بسر کرنے پر مجبور ہے، حالانکہ اس جماعت کے سامنے صحابہ کرامؓ کی پُر جوش انقلابی عمل کی لازوال مثال بھی موجود ہے، جنہوں نے اپنے انقلابی نظریئے اور منظّم اجتماعی جدوجہد سے دین اسلام کی اساس پر فلاحِ انسانیت کا عالمی نظام قائم کیا، اور ہزار سال تک مسلمانوں نے پوری دنیا پر حکمرانی کی۔

آج زوال سے نکلنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ اپنے سماج کی تعمیر وترقی کے انسانیت دوستی پر مبنی دین اسلام کا سچا نظریہ ہماری وحدتِ فکری کا باعث بنے، اور اس پر ایک انقلابی لائحہ عمل تشکیل دیا جائے اور اس پر عمل درآمد کے لیے پورے صبر واستقلال، ہمت وجرأت، مہارت اور صلاحیت کے ساتھ کام کرنے والی ایک منظّم اور تربیت یافتہ جماعت وجود میں لانے کے لیے جدوجہد اور کوشش کی جائے۔ تاکہ دنیا میں ترقی اور آخرت میں کامیابی کا راستہ واضح ہو۔ (مدیر اعلیٰ)

ایک مثالی معاشرے کے قیام کے تقاضے

محمد عباس شاد

یہ بات ہر مسلمان جانتا ہے کہ آنحضرت ﷺ ہماری راہنمائی کے لیے دو چیزیں چھوڑ گئے ہیں ایک اللہ کی کتاب: قران مجید، اور دوسرا اپنا اُسوۂ حسنہ، یعنی نبی اکرم ﷺ کی اجتماعیت پر مبنی وہ عظیم الشان اور انقلابی جدوجہد اور کوشش جو آپ نے جماعت صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ذریعہ سے دنیا میں قرآن حکیم کا عملی نظام قائم کرنے کے لئے کی، ان دونوں چیزوں کی ضرورت اس لئے ہے کہ معاشرے کی تشکیل کے لئے جہاں قرآن وسنت پر مبنی تعلیمات اور نظریات کی ضرورت ہے، وہاں ان پر عملی ڈھانچہ قائم کرنے کے لئے اولوالعزم اور سچے انسانوں پر مبنی جماعت اور اس کے قائم کردہ نظام کی ضرورت ہوتی ہے، کتاب اللہ رہنمائی دیتی ہے اور انسان اس پر نظام قائم کرتے ہیں، جس طرح پہلے زمانے میں آنحضرتؐ اور جماعت صحابہؓ نے بہترین نظام قائم کیا تھا۔

حضرت علیؓ قرآن حکیم کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ خاموش کتاب ہے انسان اس کی طرف سے بولیں گے۔ (ھذا کتاب صامۃ انما تنطق عنہ الرجال) حضور اکرمؐ اور آپ کی جماعتِ صحابہ نے اس کتاب کے ذریعہ جدوجہد کا نظریہ دیا، اور اس دور کے ظلم کے نظام کے خلاف جدوجہد کی اور معاشرے میں عدل پر مبنی نظام قائم کر کے اپنی بعثت کے مقصد کو پورا فرما دیا۔ آپؐ جب دنیا سے تشریف لے جاتے ہیں، تو ایک نمونہ کی جماعت اور ایک مثالی معاشرہ اپنے پیچھے چھوڑ کر جاتے ہیں۔ جس کو قرآن نے آئندہ کے انسانوں کے لیے سند اور معیار قرار دیا (محمد رسول اللہ والذین معہ) (صراط الذین انعمت علیہم (سبیل المؤمنین) آپ کی جماعت نے اس انقلاب اور مثالی معاشرے کو عالمگیر وسعت دی اور بین الاقوامی طور پر موجود قیصر وکسریٰ کے نظام کو شکست دے کر غلبہ دین کے مقصد کو پورا کر دیا (لیظہرہ علی الدین کلہ)۔

اب مسلمانوں نے اصولی طور پر اس بات کو تسلیم کر لیا کہ یہ مسلمان جماعت کا فرض ہے کہ وہ ہمیشہ عدل کو بطور نظام قائم رکھے اور ظلم واستحصال کیخلاف جدوجہد کرتی رہے۔ اور حضور اکرمؐ سے وراثت میں ملنے والی جماعت اور معاشرے کو قائم رکھے۔ (ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویأمرون بالمعروف وینہون عن المنکر) کم وبیش گیارہ سو سال تک مسلمان اس اصول پر عمل پیرا رہے اور اپنے قائم کردہ نظام کے ذریعے بلاامتیاز رنگ ونسل انسانیت کی خدمت کرتے رہے اور مسلمانوں نے اس کو نظریئے کے طور پر قبول کر لیا کہ وہ اپنی یہ وراثت عہد بعہد آئندہ آنے والی نسلوں کو منتقل کرتے رہیں گے (لایزال من امتی امۃ قائمۃ بامر اللہ)۔

آج کے مسلمان کا یہ المیہ ہے کہ وہ اپنی اس وراثت کو بھول گیا ہے اور جماعت، معاشرے اور نظام کے بغیر ہی دین کے غلبہ کے خواب دیکھتا ہے۔ ہماری مثال اس بادشاہ کی ہے جو اپنی اولاد کو وراثت میں جنگی ہتھیاروں اور شاہی لباس کے ساتھ ایک عظیم الشان سلطنت اور بادشاہت بھی دے کر جائے لیکن اس کے نا خلف وارث سلطنت گنوا کر ہتھیاروں اور لباس کو ہی کافی سمجھ کر چومتے چاٹتے رہیں تو ان کی بدبختی پر کون ہوگا جو آنسو نہ بہائے۔ آج ہم نے دین کی ساری تعبیر ہی انفرادیت کی بنیاد پر کر ڈالی ہے، اور اجتماعیت و دین کا نظام قائم کرنے کا نظریہ ترک کر دیا، آج ہماری حالت یہ ہے کہ نہ اجتماعیت پر مبنی دین کی جماعت ہے اور نہ دین کا نظام قائم کرنے کی فکر ہے، اسلام کے نام پر گروہ اور ٹولیاں بنا رکھی ہیں، اور ہر گروہ دوسرے کے درپے آزار رہتا ہے اور دوسروں کو غلط کہنے میں اپنی نجات تصور کرتا ہے۔ وہ یہ ضروری نہیں سمجھتے کہ اپنے خیالات کو قرآن وسنت، جماعت ومعاشرہ اور حالات وزمانہ کی میزان پر تولیں۔ یوں ایسے لوگ تفرقہ اور تشتت میں اُلجھے ہوئے، اصل ہدف سے دور، روحِ عصر سے بے نیاز، وقت کے تقاضوں کو چھوڑ کر فروعی اور فرقہ وارانہ مسائل کا شکار، اپنی اور قوم کی صلاحیتوں اور وسائل کو ضائع کرتے رہتے ہیں۔

ع: ناداں جھک گئے سجدے میں جب وقت قیام آیا۔

www.rahnuma.org

معاشرے کی سچائیاں؛ عدل کی بنیاد ہیں

شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا مفتی عبدالخالق آزاد صاحب —— ناظمِ اعلیٰ ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور
(مؤرخہ: 5 جون 2009ء بمقام ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ، لاہور) ضبط وتحریر: مولانا محمد جمیل

نحمدهٗ ونصلی علی رسوله الکریم، امّا بعد: قا ل الله تبارک وتعالیٰ:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭ اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ (۵ : ۸)

صدق الله العظيم.

معزز دوستو! کتاب مقدس قرآن حکیم انسانی سماج کی ترقی کے لئے رہنما اُصولوں کی نشاندہی کرتا ہے، اور مسلمان جماعت پر لازم کرتا ہے کہ ان اصولوں کی روشنی میں وہ اپنی ذمہ داری کو پورا کرنے کی حکمت عملی اختیار کرے۔ مسلمان جماعت کی تربیت قرآن حکیم کی تعلیمات کی روشنی میں بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ قرآن حکیم میں جہاں انسانی ترقی کے قوانین اور ضابطے بیان کئے گئے ہیں، وہیں اس حقیقت کی نشاندہی کی گئی ہے کہ ان قوانین پر عمل کرنے کے لئے ایک تربیت یافتہ جماعت کی ضرورت ہے جو کہ قرآن حکیم کے افکار ونظریات کی روشنی میں انسانی سماج کی تشکیل کے لئے جدوجہد اور کوشش کرے گی۔ کتاب مقدس قرآن حکیم نے مسلمان جماعت پر یہ بات لازم کی ہے کہ انسانی معاشرہ میں عدل وانصاف کا قیام لازمی اور ضروری ہے، افرادِ انسانی، اقوام اور خاندانوں کے درمیان تعلقات اور معاملات میں عدل کی معیاری حیثیت کیا ہے، بنیادی طور پر عدل وانصاف انسانی فطرت کا تقاضہ ہے اور اس کو پورا کرنے کے لئے صلاحیت اور استعداد کی ضرورت ہے، انسانی معاشرہ کے لئے عدل ایک ضروری اور لازمی امر ہے، اس کے مقابلہ میں تعلقات کی جو نوعیت بھی ہوگی وہ ظلم کہلائے گی۔ ظلم نام ہی دو یا زیادہ چیزوں کے درمیان اس نسبت کا ہے جس میں ایک طرف کا پلڑا بھاری ہو اور دوسری طرف کا کم ہو، ایک کے حقوق پورے نہ ہوں، دوسرے کے پاس دولت زیادہ ہو، اب اس پلڑے کو برابر کرنا عدل وانصاف کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانی معاشروں کے لیے حکم دیا کہ وہ عدل وانصاف قائم کریں "اے ایمان والی جماعت! تم عدل وانصاف قائم کرنے والے بنو"۔ تمہاری اجتماعی طاقت اور اجتماعی نظام عدل پر مبنی ہونا چاہئے، وہ عدل وانصاف قائم کرنے کا ذریعہ بنے۔

قرآن حکیم نے اپنے نزول کے بعد قانونی درجہ میں یہ بات بیان فرمادی کہ "تیرے رب کا کلمہ جو کہ سچ اور عدل پر مبنی ہے وہ مکمل ہوگیا ہے"۔ (تمت کلمة ربک صدقا و عدلا) انسانی معاشرہ کی ترقی کے لیے دو چیزیں ہیں: ایک علم یعنی معلومات کا حصول، حقائق کا ابلاغ، اور ظاہر ہے کہ دنیا بھر کی ساری معلومات اور حقائق کا براہِ راست انسان خود مشاہدہ نہیں کرسکتا۔ اس لئے اس میں دوسروں پر اعتماد کرنا پڑتا ہے، دوسرے لوگ ان کا مشاہدہ کرتے ہیں اور پھر ان کو بیان کرتے ہیں۔ اب یہ بیان سچا بھی ہوسکتا ہے اور جھوٹا بھی ہوسکتا ہے، اگر وہ بیان حقائق، تجربات اور مشاہدات کے مطابق ہو تو سچا ہوگا ورنہ جھوٹا ہوگا۔ جھوٹ درحقیقت اسی چیز کا نام ہے کہ آپ کے پاس جو معلومات پہنچ رہی ہیں، ان کا حقائق کے ساتھ کوئی تعلق نہ ہو، یا معلومات کو مسخ کر کے پیش کیا گیا ہو۔ تو سب سے پہلی چیز انسانی معاشروں کے لئے سچائی کا ہونا ہے، تو جب ہمارے پاس معلومات سچائی اور حقائق کے مطابق آئیں گی تو اس کی بنیاد پر عدل وانصاف کا نظام ممکن ہوگا۔ گویا کہ عدل وانصاف کے لئے "سچائی" پہلی اور بنیادی شرط ہے۔ اگر معلومات غلط ہوں، حقائق کے منافی ہوں تو عدل قائم نہیں ہوسکتا۔

دنیا بھر کے تمام معاشرے بظاہر یہ اعلان کریں گے کہ ہم عدل وانصاف قائم کریں گے۔ لیکن حقیقت میں ظلم کر رہے ہوں گے، اس سلسلے میں بنیادی چیز اعداد وشمار کو مسخ کرنا اور جھوٹ کو قبول کرنا ہوتا ہے، اگر جھوٹ کو قبول کرلیا گیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ مسخ شدہ حقائق کی بنیاد پر نسبت عدل و مساوات قائم کرنے چلے ہیں، تو اس طرح عدل وانصاف کبھی قائم نہیں ہوسکتا۔ آج سب سے بڑا دھوکہ یہی ہے کہ سب سے زیادہ مہذب کہلانے والے معاشرے، ترقی یافتہ ممالک اس بات کا اعلان نہیں کرتے کہ ہم ظلم کرتے ہیں، بلکہ عدل کا دعویٰ کرتے ہیں، ان ممالک کی کتابیں اور دستاویز اگر ملاحظہ کی جائیں تو ان میں منطقی طور پر کوئی جھوٹ نہیں ہوگا، لیکن ان کا اصل چہرہ یہ ہے کہ جن حقائق کی بنیاد پر وہ نسبت عدل قائم کرنا چاہتے ہیں، وہ مسخ شدہ ہیں۔ ان کی پڑتال کرنے کی ضرورت ہے، وہ جو سروے کرتے ہیں، معلومات جمع کرتے ہیں، ان کی نوعیت کیا ہے، اگر وہ جھوٹ پر مبنی ہے تو باقی سارا ڈھانچہ عدل پر مبنی نہیں ہوگا، بلکہ ظلم پر مبنی ہوگا۔

گزشتہ دو اڑھائی سو سال میں جب سے برطانوی بھیڑیوں نے اقوام اور ممالک پر قبضہ کرنا شروع کیا ہے، اس وقت سے اب تک جو سب سے زیادہ خرابی پیدا کی ہے، وہ جھوٹے اعداد وشمار پیش کرنا ہیں، حقائق کو مسخ کرنا ہے، آپ دیکھیں کہ انسانی سماج کے جتنے بھی پہلو ہیں، ان تمام میں حقائق کو مسخ کر کے پیش کرنا ان کا رویہ بن چکا ہے، اعداد وشمار کو تبدیل کر کے اپنی مرضی کے نتائج حاصل کرنا ان کا طریقۂ واردات ہے۔ سیاسی اور اقتصادی مفادات کے لیے حقائق کو مسخ کرنا اور اگر کسی جگہ پر حقائق سخت ہوجائیں تو وہاں طاقت کے زور پر جنگ مسلط کرنے کا عمل اختیار کیا جاتا ہے، اور اس آبادی کو فنا کی گھاٹ اُتار دیا جاتا ہے، تاکہ دنیا میں جو ملک اپنی قومی آزادی کی جنگ لڑے اس کو راستہ سے ہٹادیا جائے اور مرعوب اور پست ذہنیت کے لوگوں کو خرید کر قوم کا نمائندہ اور اپنا آلہ کار بنادیا جائے۔ دنیا بھر میں جہاں جہاں نوآبادیاں قائم کی گئی ہیں، وہاں پر غلام ذہنیت کے حامل لوگوں کو اپنا آلہ کار بنا کر قوم پر مسلط کردیا گیا ہے۔ دور جانے کی ضرورت نہیں بلکہ ایشیاء کے کئی علاقوں میں جن پر برطانوی سامراج نے قبضہ کیا ان ممالک میں جو اصل آبادیاں ہیں، ان کو غلام بنا کر تباہ وبرباد کردیا اور ان پر اپنے آلہ کار مسلط کردیئے۔ گزشتہ دو سو سال کی تاریخ بھری پڑی ہے، کہ سامراج نے اپنے انسانیت دشمن مقاصد حاصل کرنے کے لئے اعداد وشمار اور حقائق کو کیسے مسخ کیا۔ ماضی قریب میں افغانستان اور عراق کی صورت حال نوجوان نسل کے سامنے ہے کہ یہاں پر سامراج نے اصل آبادی کو کیسے تباہ کیا اور اپنے آلہ کار لوگوں کو ان ممالک پر مسلط کیا اور جمہوریت کے نفاذ کا دعویٰ اور عدل کو قائم کرنے کا نعرہ دیا۔ اسی طرح معاشی شعبہ میں حقائق کو مسخ کرنے کا رویہ موجود ہے، دنیا میں جہاں کہیں سرمایہ داری نظام مسلط ہے، وہاں بظاہر معاشی ترقی کے گن گانے اور وسائل کو منصفانہ طریقہ سے تقسیم کرنے کے دعوے ہیں، لیکن معاشی اعداد وشمار اور حقائق جھوٹ پر مبنی ہیں تو عدل وانصاف پر مبنی نتائج کیسے نکلیں گے۔ آپ اندازہ لگائیں کہ انگریز سامراج نے 1831ء کے بعد پہلا معاشی نظام تشکیل دیا، اس وقت سے لے کر 2009ء تک، 1947ء سے پہلے خود انگریزوں نے اور 1947ء سے لے کر اب تک ہمارے حکمرانوں نے ہمیشہ جھوٹے اعداد وشمار کی بنیاد پر بجٹ پیش کیا، جن کا ملکی حقائق سے کوئی تعلق نہیں ہے، جب اعداد وشمار، سروے اور بنیاد ہی غلط ہے تو بظاہر عدل وانصاف قائم کرنے کا دعویٰ بالکل غلط اور فراڈ ہے۔

قرآن حکیم نے مسلمان جماعت پر زور دیا ہے کہ وہ عدل وانصاف کی حقیقت کو جانے اور اس کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے معاشرے میں عدل قائم کرنے اور غالب کرنے کے لئے اپنے اندر استعداد، صلاحیت اور طاقت پیدا کرے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارہ میں یہ دعویٰ کردینا کہ انہوں نے عدل وانصاف کا نظام قائم کیا اور ہم بھی ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے عدل کا نظام قائم کرنا چاہتے ہیں، یہ کافی نہیں ہے، بلکہ یہ سمجھنا ہوگا کہ انہوں نے عدل قائم کرنے کے لئے کیا حکمت عملی اختیار کی، حضرت عمرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں عدل کے قیام کے لئے اعداد وشمار جمع کرنے کے لئے جو ٹیمیں تشکیل دیں، ان کو ہدایات دیں کہ انہیں سچائی پر مبنی حقائق جمع کرنے ہیں، تاکہ ان کی بنیاد پر عملی نظام درست طور پر تشکیل دیا جاسکے۔ اور پھر ان اعداد وشمار کے حقائق کی پڑتال کا بھی مکمل نظام موجود

www.rahimia.org

تھا، یہ عدل قائم کرنے کے لئے ضروری ہے، اس کے بغیر نظام تشکیل نہیں دیا جاسکتا۔ اب حضرت عمر فاروقؓ کا قائم کردہ نظامِ عدل تو ہمارے سامنے ہے لیکن آپ کی حکمت عملی اور جدوجہد کو ہم اپنے پیش نظر نہیں رکھتے۔ حالانکہ یہ سارا کام ڈسپلن اور نظم وضبط کی تنظیمی قوت کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اگر انفرادی خواہشات کے مطابق حقائق کو جمع کرنے کا عمل ہو تو وہ خواہشات اور مفادات کو پورا کرنے کا ذریعہ تو بن سکتے ہیں، لیکن ان کی بنیاد پر کوئی نظام تشکیل دینا ممکن نہیں، کیوں کہ ہر طبقہ اور گروہ کی خواہش اور مفاد دوسرے سے مختلف ہوگا تو اس کی بنیاد پر اجتماعی نظام کیسے تشکیل دیا جاسکتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ نظام چلانے والے افراد ذاتی خواہشات، گروہی مفادات سے بالاتر ہو کر کام کریں تو نتائج مثبت نکل سکتے ہیں، یعنی ان کے پیش نظر قومی مفاد ہونا چاہئے، ان لوگوں کو اپنی ذاتی اور انفرادی رائے کو مدنظر رکھ کر رائے قائم نہیں کرنی اور نہ قانون بنانا ہے بلکہ سوسائٹی کے اجتماعی مفاد کو مدنظر رکھ کر رائے بنانی ہوتی ہے۔ سینکڑوں، ہزاروں واقعات موجود ہیں، صحابہ کرامؓ، اولیاء اللہؒ اور انبیاء کرامؑ اور عدل و انصاف قائم کرنے والے اولوالعزم حکمرانوں کے جنہوں نے اس بات کو یقینی بنایا کہ ان اعداد وشمار کو جمع کرنے میں طبقاتی اور گروہی مفادات رُکاوٹ نہ بنیں۔

آپ دیکھیں کہ غلامی کے اس نظام میں ہمارے ذہنوں میں جو چیز پیدا کردی گئی ہے وہ ہے حقائق کو مسخ کرنے کا عمل، انفرادی اور طبقاتی مفادات سے اوپر اُٹھ کر اعداد وشمار جمع نہیں کئے جاتے۔ اب بظاہر دستاویزات خواہ کتنی ہی عمدہ اور اعلیٰ ہوں، لیکن اگر وہ جھوٹ کا پلندہ ہیں، تو نظام کیسے درست ہوگا، جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ گزشتہ سو سال سے خاص طور پر معاشی معاملات جھوٹے اعداد وشمار کی بنیاد پر چل رہے ہیں، یہاں پر سرمایہ داری نظام کے تسلط اور غلط اقتصادی نظام کا نتیجہ یہ ہے کہ غلط اقتصادی اعداد و شمار پیش کئے جاتے ہیں اور پھر اس پر بحث کرتے ہیں، ہمارے ملک میں بجٹ پیش کیا جاتا ہے، اس میں موجود اعداد وشمار کا ہمارے زمینی حقائق سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ قرآن حکیم نے عدل کے لئے سچائی کی شرط لگادی کہ اگر حقائق سچائی پر مبنی ہوں گے تو عدل قائم ہو سکے گا، اگر سچائی نہیں ہے تو پھر عدل کا قیام ممکن نہیں ہے، دنیا میں کوئی نظام چلانے والا فرد یہ دعویٰ نہیں کرتا ہے کہ ہم ظلم پر قائم نظام چلاتے ہیں بلکہ ہر ایک عدل کا دعویٰ کرتا ہے، اس لئے ضروری ہے کہ ان کے دعویٰ کا تجزیہ کیا جائے کہ ان کا دعویٰ زمینی حقائق سے مطابقت رکھتا ہے یا نہیں، انسانی معاشروں میں سب برائیوں کی جڑ جھوٹ ہے، اگر اعداد و شمار میں جھوٹ ہوگا تو اگلے تمام دعوے یقیناً درست نہیں ہوسکتے۔ اسی لئے قرآن حکیم نے فرمایا کہ معاملات میں گواہی حقائق کو پیش نظر رکھ کر دینی چاہئے، خواہ وہ گواہی والدین، قریبی رشتہ داروں اور تمہارے اپنے خلاف کیوں نہ ہو، اس بات کی پرواہ نہیں کرنی۔ آپ دیکھیں کہ حضوؐر کے دور میں آپؐ کے دشمن یہودی جو کہ آپ کے عقیدہ کو تسلیم نہیں کرتے لیکن اپنے جھگڑے کا فیصلہ کرانے کے لیے وہ حضوؐر کے پاس آتے ہیں، کیوں کہ ان کو یقین ہے کہ آپؐ عدل وانصاف کے مطابق فیصلہ فرمائیں گے۔ تو بنیادی چیز سچائی ہے، کہ اس کو قبول کیا جائے، اس پر تربیت حاصل کی جائے اور پھر اس کی بنیاد پر نظام قائم کیا جائے۔ اب جہاں پر پورا نظام اور میڈیا اپنی طاقت کی بنیاد پر اعداد وشمار کو مسخ کرنے میں اپنا کردار ادا کر رہے ہوں وہاں پر عقل وشعور پیدا کر کے نظام کے اثرات کی مزاحمت کرنا بڑا ضروری ہے۔

اس لئے مسلمان جماعت جب بھی معاشرے میں غلبہ دین کا کام کرتی ہے تو اس بنیاد پر کرتی ہے کہ وہ غلط پروپیگنڈہ سے متاثر نہ ہو، جھوٹ کو قبول نہ کرے، عدل کی بنیاد پر نظام قائم کرنے کی جدوجہد کرے۔ اس لئے حضوؐر نے فرمایا کہ کسی آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات کو آگے بیان کرنا شروع کردے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اپنی عقل وشعور کو بڑھایا جائے اور حقائق کی بنیاد پر معاشروں کا تجزیہ کیا جائے اور اس سلسلہ میں قرآن حکیم کی تعلیمات اور سیرت نبویؐ سے رہنمائی حاصل کریں تو انشاءاللہ زوال سے نکلنے کے راستہ پر گامزن ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں سچائی کو قبول کرنے اور اس کو غالب کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین

رفتارِ کار.........

افتتاحِ صحیح بخاری کی تقریب

عتیق الرحمٰن (ایڈووکیٹ)

ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ میں گزشتہ سالوں کی طرح اس سال بھی درسِ نظامی کی آخری کلاس دورۂ حدیث شریف کا آغاز ہوا۔ مؤرخہ 4 اکتوبر 2009ء کو ادارہ رحیمیہ میں بعد نمازِ ظہر اس کلاس کی اہم کتاب صحیح بخاری شریف کے افتتاح کے حوالے سے ایک تقریب کا اہتمام کیا گیا۔ جس میں لاہور شہر اور گردونواح کے احباب اور جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں نے شرکت کی۔ اس تقریب کا آغاز تلاوت قرآن حکیم سے کیا گیا۔ جس کے بعد ادارہ کے ناظمِ تعلیمات مفتی عبدالغنی قاسمی صاحب نے اس کلاس کی اہمیت پر گفتگو فرمائی۔ اور اس حوالے سے طلباء کو نصیحت کی۔ اور شرکاء کو حدیث پاک کی تعلیم کی اہمیت سے آگاہ کیا۔ اس کے بعد شیخ الحدیث و ناظم اعلیٰ ادارہ رحیمیہ حضرت مولانا مفتی عبدالخالق آزاد صاحب نے صحیح بخاری شریف کا پہلا درس دیا، جس میں امام بخاریؒ کے مختصر حالاتِ زندگی، کتاب کے مقاصد و اہداف اور اس کا بنیادی خاکہ واضح کیا۔ سلسلۂ اسناد کی اہمیت اور پہلی حدیث کی تشریح بیان کی۔ اس کے بعد سرپرست اعلیٰ ادارہ رحیمیہ حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ نے دعاء فرمائی۔ اور یوں یہ تقریب پایۂ تکمیل کو پہنچی۔

تربیتی سیمینار کا انعقاد

ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ سے وابستہ لاہور اور اس کے گردونواح کے نوجوانوں کے لیے مؤرخہ 4 اکتوبر 2009ء بروز اتوار کو ادارہ رحیمیہ میں ایک تربیتی سیمینار منعقد کیا گیا۔ جس میں ولی اللہی افکار کی اساس پر شیخ الہندؒ سرکل کے نصاب کے موضوعات پر محاضرین نے لیکچر دیئے۔ جن میں مفتی عبدالغنی قاسمی، مولانا محمد عباس شاد، سید خالد ریاض بخاری، مولانا ناصر عبدالعزیز، انجینئر اخلاق احمد میمن، انیس احمد سجاد (ایڈووکیٹ) شامل ہیں۔ اس سیمینار میں کافی تعداد میں تعلیم یافتہ نوجوانوں نے شرکت کی، اسی طرح عبیداللہ سندھیؒ فورم کے محاضرین کے لیے بھی ایک تربیتی ورکشاپ کا اہتمام کیا گیا، جس میں مولانا محمد عباس شاد اور مولانا ناصر عبدالعزیز صاحب نے رہنمائی فرمائی۔ اس سیمینار میں گروپ ڈسکشن، مذاکرہ نشست اور پینل سے سوال وجواب کا سلسلہ بھی سارا دن جاری رہا۔ رات 11:00 بجے تک تعلیم وتربیت کا یہ سلسلہ جاری رہا۔

حضرت اقدس رائے پوری کا خانقاہِ رائے پور (انڈیا) کے لیے سفر

خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور کے مسند نشین حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ ہر سال کی طرح اس سال بھی اپنے احباب کے ہمراہ خانقاہِ رائے پور انڈیا کے لیے مؤرخہ 7 اکتوبر 2009ء کو سفر کے لیے روانہ ہوگئے۔ اس سے قبل مؤرخہ 6 اکتوبر 2009ء کو بعد از نمازِ مغرب الوداعی تقریب سے آپ کے ہمراہ جانے والے لوگوں میں سے ناظمِ اعلیٰ ادارہ مفتی عبدالخالق آزاد نے اس سفر کے اغراض ومقاصد بیان فرمائے۔ اس کے بعد حضرت اقدس مدظلہ العالی نے دعاء فرمائی، آپ کا قیام خانقاہ میں تقریباً ایک ماہ رہے گا۔ اس دوران ہندوستان بھر سے آنے والے سلسلہ عالیہ رحیمیہ رائے پور کے متوسلین اور خانقاہ کے متعلقین سے آپ ملاقات فرمائیں گے۔ جب کہ گردو پیش کے مدارس اور دینی مراکز سے آنے والے علماء اور فضلاء بھی آپ سے ملاقات کے لیے تشریف لائیں گے۔ آپ اس سفر کے دوران دہلی، مظفر نگر اور دہرہ دون بھی جائیں گے۔ انڈیا روانگی سے قبل پاکستان بھر سے خانقاہ کے متعلقین ومتوسلین دو تین روز قبل ہی آپ کو الوداع کہنے کے لیے ادارہ رحیمیہ میں تشریف لاتے رہے، روانگی سے قبل ان تمام دوستوں نے آپ سے مصافحہ اور معانقہ کیا۔ اور حضرت اقدس مدظلہ العالی نے تمام احباب کے لیے خصوصی طور پر دعاء فرمائی۔ اور پرنم آنکھوں سے احباب نے آپ کو رُخصت کیا۔

www.rahimia.org

انبیاءؑ کی بعثت کا اساسی مقصد : آزادی کا حصول

پروفیسر ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن صاحب

(ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ، لاہور میں مؤرخہ: 14 اگست 2009ء کو نمازِ جمعہ سے قبل نوجوانوں کے ایک عظیم اجتماع سے صدرِ ادارہ جناب پروفیسر ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن صاحب نے ایک اہم خطاب فرمایا، جس میں یوم آزادی کی مناسبت سے آزادی کی حقیقت واضح کرتے ہوئے اسے انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا اساسی مقصد قرار دیا۔ اس موضوع پر اُن کا تفصیلی خطاب درج ذیل ہے)۔ ضبط و تحریر: مولانا محمد جمیل

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم، امّا بعد: قال اللہ تبارک وتعالیٰ: وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَآءَهُمْ رَسُولٌ كَرِيمٌ ﴿١٧﴾ أَنْ أَدُّوٓا۟ إِلَىَّ عِبَادَ ٱللَّهِ ۖ إِنِّى لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٨﴾ وَأَن لَّا تَعْلُوا۟ عَلَى ٱللَّهِ ۖ إِنِّىٓ ءَاتِيكُم بِسُلْطَٰنٍ مُّبِينٍ ﴿١٩﴾ (۴۴ : ۱۷ تا ۱۹) صدق اللہ العظیم.

محترم حضرات! اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں انسانی ہدایت کے لئے انبیاء علیہم السلام کا ایک تسلسل رکھا ہے، قرآن حکیم اس سلسلۂ ہدایت کا تعارف کراتا ہے، اور اس سلسلۂ ہدایت کے کچھ افراد کا نام لے کر تذکرہ کرتا ہے اور اس بات کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے کہ ان چند ناموں پر اکتفا نہ کیا جائے، بلکہ دنیا میں ان کے علاوہ بھی بہت سارے افراد اور شخصیات کو ہدایت کے لئے بھیجا گیا، کچھ واقعات کا تذکرہ کیا ہے اور کچھ انبیاء کے واقعات کا ذکر نہیں کیا گیا۔ قرآن حکیم کا بنیادی مقصد چونکہ انسانی ہدایت اور رہنمائی ہے اور انسان کے عقل و شعور میں اضافہ کرنا ہے، اس لئے قرآن حکیم نے اُسلوب بیان اس طرح کا اختیار کیا کہ جس سے یہ مقصد حاصل ہو سکے۔ اس لئے قرآن حکیم میں ان افراد، شخصیات اور انبیاء کا تذکرہ کیا گیا ہے، جن سے اس دور کے لوگ مانوس تھے اور ایسی شخصیات کے نام ذکر نہیں کئے گئے، جن سے اس دور کے لوگ واقف نہیں تھے، اس کی وجہ بڑی واضح ہے کہ اگر ایسی شخصیات کا ذکر کیا جاتا تو لوگوں کا تجسس اور توجہ ان کے حالاتِ زندگی وغیرہ معلوم کرنے کی طرف ہو جاتی، جس سے قرآن حکیم کا بنیادی مقصد اس سے پورا نہ ہوتا۔

قرآن حکیم اگر کسی خطہ کا ذکر کرتا ہے تو اس بنیاد پر کہ بسنے والے اس سے کیا سبق حاصل کر سکتے ہیں، وہ واقعہ ان کی زندگی میں کیا تبدیلی لا سکتا ہے۔ اس مقصد کو مدّ نظر رکھ کر قرآن حکیم نے کچھ واقعات کا تذکرہ کیا ہے۔ اور ساتھ ہی اس بات کی نشاندہی کی ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام ایک مشن اور ایک مقصد سے جڑے ہوئے ہیں، ان کے درمیان کوئی تضاد نہیں ہے، بلکہ سلسلہ بسلسلہ اس پیغام کو آگے پہنچاتے ہیں، اسی لئے یہ بات ہمارے ایمانیات کا حصہ ہے کہ ایک نبی کا انکار درحقیقت تمام انبیاء کا انکار ہے، اس لئے کہ انبیاء کی تعلیمات ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہیں۔ قرآن حکیم ”سورۃ الانعام“ میں بہت سارے انبیاء کا تذکرہ کرتا ہے، اور ان ناموں کی فہرست ذکر کرنے کے بعد حضورؐ کو مخاطب کرتا ہے، اس فہرست میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لے کر حضرت یونس اور لوط علیہما السلام کا ذکر ہے اور آخر میں فرمایا کہ یہ وہ شخصیات ہیں، جن کو اللہ نے دنیا میں منصب ہدایت نصیب فرمایا اور آپؐ کو فرمایا کہ آپ ان کے مشن کی پیروی کریں کہ آپ کو کوئی نیا مشن نہیں دیا جا رہا ہے، وہی سلسلۂ ہدایت جو گزشتہ انبیاء کو دیا گیا ہے، آپ نے بھی اسی راستہ پر چلنا ہے اور اس راستہ کی آپ نے تکمیل کرنی ہے۔ حضورؐ جو دین لے کر آئے وہ کوئی نیا دین نہیں ہے، بلکہ آپؐ کا مقصد ہدایت اور رہنمائی کی تکمیل کرنا ہے۔

آپؐ سے قبل جو انبیاءؑ تھے وہ اپنے دور کے مطابق انسانیت تک اللہ تعالیٰ کا پیغام منتقل کرتے اور ان کی نفسیات اور ذہنیت کے مطابق ان کی رہنمائی کرتے تھے۔ ان کا دعویٰ یہ نہیں تھا کہ ان کا دینِ رہنمائی حرفِ آخر ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آکر اس سارے ہدایت کے سلسلہ کو مکمل کر دیا۔ پہلے انبیاء کے پاس وہ راستہ ضروری ہے، جو دوسرے انبیاء کے پاس تھا، لیکن حضورؐ کے پاس تکمیلِ دین کا راستہ ہے، جو کہ سابقہ انبیاءؑ کے پاس نہیں تھا، اور یہی آپؐ کا امتیازی منصب ہے کہ آپؐ نے دین کو مکمل کر دیا کہ اب اس دین میں کوئی ایسا پہلو نہیں ہے جو کہ تشنہ رہ گیا ہو، جس کے لئے مزید کسی وحی اور رہبر کی ضرورت ہو، یا کسی نئے نبی کی ضرورت ہو، اب یہ منصب اور ذمہ داری حضورؐ کے ذریعہ سے مکمل ہوگی۔ اب وہ انبیاءؑ کا مشن کیا تھا، جس پر تمام انبیاء بھیجے جاتے تھے، انبیاء کے مختلف واقعات بھی اس لئے ذکر کئے گئے کہ حضورؐ نے بھی اسی مقصد اور مشن کو اپنے دور کے حالات کے مطابق لے کر چلنا ہے۔ سورۂ مزمل میں فرمایا کہ ”ہم نے آپ لوگوں کی طرف ایک ایسا رسول بھیجا ہے جو کہ تم پر گواہ ہے، یہ ایسے ہی ہے، جیسے کہ ہم نے فرعون کی طرف رسول بھیجا“، اس بیان کا مقصد یہ ہے کہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی طرف بھیجا گیا اسی طرح اور اسی مقصد کے لئے حضورؐ کو قریش کی طرف بھیجا گیا اور قرآن حکیم نے جس واقعہ کا کثرت سے ذکر کیا، اور اس کو بار بار بیان کیا، وہ موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا واقعہ ہے۔ اس واقعہ کا ذکر قرآن حکیم نے کئی مقامات پر کیا ہے۔

اب یہ بات کہ فرعون کی طرف رسول کس مقصد کے لئے بھیجا گیا، اس کی وضاحت بھی قرآن حکیم کرتا ہے، جو آیات شروع میں تلاوت کی گئیں کہ ”ان سے پہلے ہم نے قومِ فرعون کو آزمایا اور ان کے پاس ایک معزز رسول بھیجا اور وہ معزز رسول جو پیغام لے کر آیا وہ یہ کہ اللہ کے بندوں کو میرے حوالہ کردو“۔ یہ اللہ کے بندے وہ ہیں، جن کو دوسری جگہ پر قرآن حکیم نے بنی اسرائیل کا غلام کہا ہے، تو گویا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو پہلا پیغام یہ دیا کہ اللہ کے بندوں کو آزاد کر کے میرے حوالہ کردو، کیوں کہ میں ایک رسول کے طور پر آپ کے پاس آیا ہوں، اور اس پیغام کو پہنچانے میں کسی قسم کی کمی بیشی نہیں کر رہا، میں امانت دار رسول ہوں جو امانت میرے سپرد کی گئی تھی، وہ امانت میں آپ کے سپرد کر رہا ہوں، تو پیغام کا ایک حصہ تو یہ ہوا کہ اللہ کے بندوں کو آزاد کردو اور پیغام کا دوسرا حصہ یہ کہ ”اللہ کے مقابلہ میں سرکشی اختیار نہ کرو، کہ دنیا میں تم نے اپنے آپ کو سرکش بنا رکھا ہے، لوگوں کی گردنوں پر مسلط ہو گئے ہو اور پورے معاشرے کو تم نے مختلف گروہوں میں تقسیم کر رکھا ہے“۔ اس کا ذکر قرآن حکیم دوسری جگہ کرتا ہے کہ ”فرعون نے زمین میں سرکشی اختیار کی اور زمین کے باشندوں کو گروہوں میں تقسیم کر دیا، ایک گروہ کو کمزور، ایک کو ذہنی طور پر پست کرتا تھا اور ایک گروہ کو معاشی طور پر بدحال کر رہا تھا، ایک گروہ کو سیاسی طور پر مفلوج کر دیا تھا اور معاشرے میں ایسی فضاء پیدا کر دی کہ وہاں کا ہر بچہ قتل کر دیا جاتا تھا“۔

اس پس منظر میں حضورؐ کو بتایا جا رہا ہے کہ جس طرح موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی طرف بھیجا تا کہ وہ بنی اسرائیل کو آزادی دلوائیں، تو گویا حضورؐ کی آمد بھی اسی مقصد کے لئے ہو رہی ہے تا کہ آپؐ دنیا کی مظلوم اقوام کو ظالم طاقتوں سے آزاد کرائیں۔ یہ مضمون اور مقصد قرآن حکیم نے کئی جگہ پر بیان فرمایا ہے، سورۃ الشعراء میں بیان فرمایا کہ ”اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو یہ ذمہ داری سونپی کہ تم ظالم گروہ کے پاس جاؤ اور ظالم گروہ فرعون اور اس کے حواری ہیں، جو اس کا نظام چلا رہے ہیں، ان کو جا کر یہ کہیں کہ کیا تم اپنے برے انجام سے نہیں ڈرتے“۔ کیا تم کو اپنے اعمال کے نتائج کا احساس نہیں ہے، ان کے اعمال کیا ہیں کہ انہوں نے بنی اسرائیل کو ذلت کے عذاب میں مبتلا کر دیا تھا۔ اس نظام میں انسانیت کی تذلیل تھی، اس نظام سے نجات دلانے کے لئے موسیٰ علیہ السلام کو بھیجا گیا۔ اور پھر قرآن حکیم اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ اس مشن میں میرے ساتھ میرا ایک ہمنوا اور ساتھی ہونا چاہئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ہارون علیہ السلام کو ان کے ساتھ مقرر کر دیا اور حکم دیا کہ ”تم دونوں جاؤ اور ہمارے حکم کو فرعون تک پہنچاؤ کہ ہم رب العالمین کے نمائندے اور رسول ہیں اور ہمارا ایک ہی پیغام ہے کہ بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دو“، تو گویا کہ موسیٰ علیہ السلام کا پہلا مطالبہ قوم کو آزاد کرانے کا تھا، کیوں کہ جب تک قوم آزاد نہیں ہوگی، اس وقت تک ان کے اندر انسانی اوصاف پیدا نہیں ہو سکتے، اور جب تک انسانی اوصاف اور انسانی

www.rahimia.org

صلاحیت پیدا نہ ہو، اس وقت تک دین کی سمجھ پیدا نہیں ہوسکتی۔ دین دراصل آزاد انسانوں کے لئے ایک لائحہ عمل ہے، دین اس نظام کا نام ہے، جس پر آزاد انسان چل سکتے ہیں، غلام انسانوں کے لئے انبیاء کا پہلا پیغام یہ ہوتا ہے کہ ان کو آزادی دلوائی جائے۔ اس لئے کہ ان کی صلاحیتیں دب چکی ہیں، وہ انسانیت سے گر کر حیوانیت کے درجہ میں داخل ہوچکی ہیں، اور وہ دین کے راستہ پر نہیں چل سکتیں۔ جیسے انسان حیوان سے اپنی مرضی کے مطابق کام لیتا ہے، اس کی اپنی فیصلہ کرنے کی قوت نہیں ہوتی تو اسی طرح غلام انسان غلامی میں حیوان کی طرح ہوتے ہیں کہ دیکھنے میں انسان نظر آتے ہیں، لیکن وہ بنیادی انسانی اوصاف سے محروم ہوتے ہیں۔ تو انبیاء ایسے معاشروں میں آکر سب سے پہلے اس بات کی جدوجہد کرتے ہیں کہ ان کو آزادی دلائی جائے۔ تاکہ وہ اس قابل بن جائیں کہ وہ اللہ کے پیغام کو سن سکیں۔

اس لئے موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں قرآن حکیم کے تمام مقامات پر پہلا پیغام یہ نہیں دیا گیا کہ تم اللہ پر ایمان لاؤ، بلکہ پہلی بات یہی کہی گئی کہ ''ان کو آزاد کرو''۔ اس لئے کہ آزادی کے بغیر شریعت کا بہت بڑا حصہ قابل عمل نہیں رہتا، غلام کی کوئی شریعت نہیں ہوتی، اس لئے انبیاءؑ نے پہلا مقصد یہ مدنظر رکھا کہ اللہ کے بندے بن جاؤ اور اللہ کے بندے اسی وقت بن سکتے ہیں، جب آزاد ہوں گے، یا تو اللہ کی بندگی میں آئیں گے یا غلامی کی زندگی بسر کریں گے، دونوں میں تضاد ہے۔ یہ دورِ زوال کا دیا ہوا فلسفہ ہے کہ غلامی میں رہتے ہوئے اللہ کے بندے بن جاؤ، گویا کہ دونوں کو جمع کر دیا گیا، جس طرح آگ اور پانی جمع نہیں ہوسکتے، اسی طرح ''اللہ کی بندگی'' اور ''دنیا کے نظاموں کی غلامی'' جمع نہیں ہوسکتے۔ کیوں کہ اگر اللہ کی بندگی میں آئے گا تو لازماً غلامی کا انکار کرنا پڑے گا، لیکن اگر غلامی کے نظام کو قبول کیا جائے گا، تو اللہ کی بندگی کا کوئی تصور موجود نہیں۔

جب موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو اللہ کا پیغام دیا تو فرعون نے جو جوابی وار کیا وہ یہ کہ اس نے ذاتی احسانات یاد دلائے، اس کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ آپ کو تو کوئی مسئلہ درپیش نہیں، آپ آزادی کی بات کیوں کرتے ہیں، آپ تو کبھی غلام نہیں رہے ہیں، آپ کو تو اقتدار کے ساتھ شاہی ماحول میں تربیت ملی ہے، آپ کو تو اس نظام میں ولی عہد کی حیثیت حاصل ہوئی، غلامی تو آپ کا مسئلہ ہی نہیں، تو پھر یہ آواز آپ نے کیوں اُٹھائی۔ فرعون نے کہا کہ کیا آپ کو یاد نہیں کہ نومولود حالت میں آپ ہمارے پاس آئے اور یہیں آپ نے تربیت حاصل کی، شاہی ماحول میں رہے، کیا یہ حقیقت نہیں ہے اور پھر آپ کے ہاتھ سے ایک واقعہ بھی رونما ہوا، حضرت موسیٰ علیہ السلام قبل از نبوت ایک مرحلہ سے دوچار ہوئے، چونکہ انبیاء کے اندر نبوت سے پہلے ظلم کے خلاف جذبہ موجود ہوتا ہے، فطری طور پر ظالم کے خلاف ہوتے ہیں۔ تو جب آپ نے دیکھا کہ ایک ظالم قوم کا فرد مظلوم قوم کے ایک فرد پر ظلم کر رہا ہے تو آپ نے آگے بڑھ کر مظلوم کو ظالم کے ظلم سے بچایا اور سختی سے پیش آئے، جس سے وہ ظالم بھی قتل ہوگیا۔ تو فرعون نے آپ پر دباؤ ڈالنے کے لئے ایک طرف تو احسانات یاد دلائے، اور دوسری طرف آپ پر خوف پیدا کرنے کی کوشش کی کہ آپ سے تو ایک واقعہ بھی سرزد ہوچکا ہے۔ اور واقعہ ایسا ہے کہ آپ کو سزا ملنی چاہئے۔ گویا کہ ہر دور کا جو ظالمانہ نظام ہوتا ہے، ان کے یہ دونوں طریقہ کار ہوتے ہیں، حربے ہوتے ہیں، ایک طرف لالچ دکھاتا ہے تو دوسری طرف خوف پیدا کرتا ہے۔ تاکہ مقابل فریق کسی نہ کسی طریق سے دباؤ میں آجائے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس دباؤ کا مقابلہ کیا اور ایک بڑا متوازن جواب دیا کہ یہ احسان جتا کر تو پوری قوم کو غلام بنانا چاہتا ہے، تم نے میرے ساتھ تو احسان کیا ہوگا، لیکن اس کی یہ قیمت کہ پوری قوم کو غلام بنا دیا جائے! یہ نہیں ہوسکتا!۔ یہ ہوتا ہے انبیاء کا مشن کہ ان کو ذاتی طور پر کوئی مسئلہ درپیش نہیں ہوتا، ذاتی طور پر وہ معاشی مسئلہ کا شکار نہیں ہوتے، ان کا کوئی نفسیاتی مسئلہ نہیں ہوتا، ان کی کوئی سیاسی مجبوری نہیں ہوتی، بلکہ وہ ان تمام چیزوں سے بالاتر ہوکر قوم کو غلامی سے آزاد کرانے کی بات کرتے ہیں، اور اپنا کردار ادا کرتے ہیں، یہ بے لوث کردار ہوتا ہے، کہ جس میں اپنا کوئی ذاتی مقصد موجود نہیں ہے، ذاتی طور پر ان کو ساری آسائشات مل سکتی ہیں، اور ظاہری نظام کے اعتبار سے موسیٰ علیہ السلام کو یہ گنجائش حاصل تھی کہ وہ فرعون کے مرنے کے بعد اس کی جگہ پر بیٹھیں۔ کیوں کہ موسیٰ علیہ السلام کی پرورش فرعون کے گھر میں اسی انداز میں کی گئی تھی کہ فرعون کے مرنے کے بعد اس ملک کو چلاسکیں، کیوں کہ فرعون کی اپنی اولاد نہیں تھی، تو گویا کہ ذاتی طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس بہت بڑا مقام موجود ہے، لیکن انہوں نے قوم کی غلامی پر سودا نہیں کیا۔

اسی طرح حضورؐ کو بھی ذاتی طور پر اپنی قوم، خاندان اور مکہ کے معاشرہ میں جو مقام حاصل تھا، وہ نہ پہلے کسی کو ملا اور نہ بعد میں کسی کو ملا ہے، لیکن اس مقام اور وقار کے باوجود آپؐ نے قوم کی آزادی کے لئے اپنا کردار ادا کیا اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے اپنی قوم کے اقتدار کو چیلنج کیا۔ یہی انبیاء کا مشن ہے کہ وہ اس دنیا میں انسانیت کی آزادی کی جنگ لڑتے ہیں، اور اس مقصد کے لئے لڑتے ہیں تاکہ انسان اس قابل ہوسکے کہ اللہ تعالیٰ سے اپنا تعلق قائم کرسکے اور اللہ کی بندگی کے فلسفہ کو جان سکے، اور اس بندگی کے تقاضے کو اپنی اجتماعی اور انفرادی زندگی میں نافذ کرسکے۔ اور یہ مقصد فرسودہ نظام کو توڑے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا، آزادی حاصل کئے بغیر معاشرے میں شریعت نافذ نہیں ہوسکتی۔

آج ہمارے ملک میں دین اور اسلام کے نفاذ کی بات ہوتی ہے، انسانی حقوق کے نظام کے نفاذ کی بات ہوتی ہے، ملک میں بہت سارے گروہ اس نام سے سیاست کر رہے ہیں اور بہت ساری شخصیات نے اس نام سے اپنے گروہ بنا رکھے ہیں، لیکن یہ ساری کاوشیں اصل غلامی کے نظام کو قائم رکھنے کے لئے ہو رہی ہیں، اس نظام کی غلامی کو کوئی چیلنج کرنے کے لئے تیار نہیں ہے اور اس نظام کے لئے اپنے آپ کو قابل قبول بنا کر یہ نعرہ لگاتے ہیں کہ شریعت نافذ ہونی چاہئے، تو قرآن حکیم اس بات کی وضاحت کر رہا ہے کہ یہ دو چیزیں جمع ہو ہی نہیں سکتیں۔ ان دو چیزوں کو تو ایک نبی اپنی معجزانہ صلاحیتوں کے باوجود جمع نہیں کرسکا کہ نظام کی غلامی بھی رہے اور شریعت بھی نافذ ہوجائے۔ یہ ناممکن بات ہے۔ تو شریعت کو معاشرے میں اس وقت تک نافذ نہیں کی جاسکتا، جب تک معاشرے میں سے فرسودہ نظام کو ختم نہ کر دیا جائے، پہلے معاشرے میں سے غلط نظام ٹوٹے گا اور معاشرہ بدلے گا تو معاشرے کی تعمیر و ترقی کے لئے شریعت اپنا کردار ادا کرے گی۔

یہ آزادی کا تصور درحقیقت آج ہمارے اندر موجود نہیں، ہم نے آزادی صرف اس کو سمجھ لیا کہ زمین کے خطے کا ایک نام رکھ لیا جائے اور کہا جائے کہ ہم نے فلاں سن سے آزادی حاصل کی تھی اور ملک کا سارا کا سارا نظام اُنہی طریقوں پر چل رہا ہے، جن پر آزادی سے پہلے چل رہا تھا۔ تو گویا کہ آزادی کسی عنوان کا نام نہیں ہے، بلکہ آزادی کے پیچھے تو درحقیقت پورا ایک فلسفہ ہوتا ہے اور پھر جا کر آزادی حاصل ہوتی ہے، غلامی کے نظام کی موجودگی میں ''یوم آزادی'' منانا سب سے بڑی حماقت ہے، کیوں کہ آزادی کے بعد ہی تو ایسی تبدیلی آتی ہے کہ حضورؐ نے معاشرے سے غلامی کا نظام ختم کیا تو پہلے والا دور زمانۂ جاہلیت کہلانے لگا۔ زمانہ جاہلیت کی شخصیات، اسلامی دور کی شخصیات سے بالکل متضاد اور مختلف ہیں اور ہماری آزادی ایسی ہے کہ جس طرح آزادی سے پہلے کے کردار ہیں، اسی طرح کے کردار آزادی کے بعد بھی نظر آتے ہیں، پورا نظام ان کے کنٹرول میں ہے۔ یہ جو آزادی ہے، یہ اس لفظ کا سب سے بڑا استحصال ہے، آزادی تو یہ ہوتی ہے کہ جس میں پہلے والے نظام کو چیلنج کیا جاتا ہے، اس کو توڑا جاتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے نظام کو چیلنج کیا اور اس کو توڑا، کیوں کہ قرآن حکیم غلامی کو عبرت ناک عذاب سے تعبیر کرتا ہے۔

ہمارے ہاں تو اس سے بڑا المیہ یہ ہے کہ غلامی کو آزادی کا نام دے دیا ہے اور غلامی کا احساس ہی ختم ہوگیا ہے، اس کے لئے ایک دن مقرر کر کے مسلسل نوجوان نسل کو آزادی کے تصور سے دور کر رہے ہیں، یہی بات سمجھنے کی ہے کہ ہم آج بھی غلامی کے نظام میں چل رہے ہیں، دورِ غلامی کی سیاست، وہی معیشت اور غلامی کے دور کے اخلاق آج ہمارے معاشرے پر اسی طرح مسلط ہیں، غلامی کی حالت کو

آزادی کہنا بالکل اسی طرح ہے، جس طرح کسی ایک پرندے کو پنجرے میں بند کردیا جائے اور اس کو آزادی کا لفظ یاد کرادیا جائے اور وہ زبان سے کہتا رہے کہ ''میں آزاد ہوں'' تو اس کی آزادی کی حیثیت کو آپ سمجھ سکتے ہیں، اسی طرح ہم سامراج کے غلامی کے نظام میں جکڑے ہوئے ہیں اور ہمارے منہ میں ایک آزادی کا لفظ دے دیا گیا ہے کہ ''ہم آزاد ہیں''۔

قرآن حکیم نے یہ کہا ہے کہ جب تک فرعونی اور طاغوتی نظام معاشرے پر مسلط ہوتا ہے تو آزادی کا تصور نہیں کیا جاسکتا اور یہ بڑا المیہ ہے کہ غلامی کے نظام کی موجودگی میں ہمارے ملک کی مذہبی جماعتیں اسلام اور شریعت کی باتیں کرتی ہیں۔ قرآن حکیم جہاں بھی بندگی کا ذکر کرتا ہے، تو وہیں پر طاغوت سے بچنے کا حکم بھی دیتا ہے۔ طاغوت سے آزادی حاصل کئے بغیر اللہ کی بندگی ممکن نہیں ہے، یہ بہت بڑا دھوکہ ہے کہ آج ہم طاغوتی نظام میں رہتے ہوئے اللہ کی بندگی کا تصور ذہن میں رکھ کر خوش ہیں کہ ہم اللہ کی بندگی کر رہے ہیں، اور دوسری طرف طاغوت کے ساتھ شیر وشکر ہیں، طاغوت کی معیشت اور رزق حرام میں رہ کر اللہ کی بندگی کا تصور کیسے ممکن ہے، تو سب سے پہلے ہمیں ذہنی غلامی سے نکلنا ہوگا کہ اس دنیا میں اگر ہم دین کا غلبہ چاہتے ہیں، اللہ سے تعلق جوڑنا چاہتے ہیں، اللہ کی بندگی کے راستہ پر چلنا چاہتے ہیں تو یہ کام اس وقت تک ممکن ہی نہیں ہے، جب تک طاغوت سے لاتعلقی ظاہر نہ کی جائے۔ اور طاغوتی نظام کا خاتمہ کئے بغیر دنیا میں کبھی دین غالب نہیں ہوتا تو اس لئے قرآن حکیم نے انبیاءؑ کے راستہ کی نشاندہی کردی کہ اس دور کا بالادست طبقہ، حکمران طبقہ ہر نبی کے مقابلہ میں آیا ہے۔

آج وہ کیفیت نہیں ہے، آج کلمہ کو ایک وظیفہ خیال کیا جاتا ہے، جس کا مقصد ثواب حاصل کرنا ہو کہ اس کے ذریعہ سے ہمیں نیکیاں مل جائیں گی، اور جب حضورؐ نے وہ کلمہ پڑھا تو اس وقت پورا معاشرہ ان کے پیچھے پڑ گیا، ان کی معیشت بند کردی گئی، ان کا سوشل بائیکاٹ کردیا گیا، تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ ''لاالہ الا اللہ'' درحقیقت معاشرے میں بہت بڑی تبدیلی کا عنوان ہے۔ یہ جو ثواب کا نظریہ اس کلمہ سے وابستہ کردیا گیا ہے اور معاشرے میں تبدیلی کے نظریہ کو اس سے الگ کردیا گیا ہے، یہ اس کلمہ کے ساتھ سب سے بڑا ظلم ہے، اگر انبیاءؑ اس کلمہ کی دعوت دیں تو طاغوتی طبقات بھڑک اُٹھتے ہیں اور آج اگر اسی کلمہ کو کہا جائے تو معاشرے میں اس کے لئے عزت و وقار کا ماحول پیدا ہوجاتا ہے، اس کی ذاتی معیشت کہیں سے کہیں پہنچ جاتی ہے، اس کی سماجی حیثیت میں اضافہ ہوجاتا ہے، یہی لمحہ فکریہ ہے کہ اُس وقت کے کلمہ کہنے والوں اور آج کے کلمہ گو میں کتنا فرق ہے، اس لئے اس دور کا کلمہ طاغوت سے نفرت اور آزادی کی بنیاد پر تھا۔ طاغوت کی بالادستی کو چیلنج کرتا تھا، وہ معاشرے میں ہر فاسد غالب قوت کے مقابلہ میں مزاحمت کی سوچ رکھتا تھا۔ اور آج کلمہ پڑھنے والا معاشرہ کی ہر بدی کے ساتھ سمجھوتہ کرتا ہے، الفاظ اہمیت نہیں رکھتے بلکہ الفاظ کے پیچھے جو مقاصد ہوتے ہیں، ہمیشہ ان کی اہمیت ہوتی ہے۔

آج درحقیقت اس بنیادی فکر کو جاننے کی ضرورت ہے کہ جب تک معاشرہ حقیقی معنی میں آزاد نہیں ہوتا اس وقت تک ہماری ساری عبادات بے روح ہوں گی۔ یہ جو عبادات کا نظام ہم اختیار کرتے ہیں، اس کے ذریعہ سے اگر معاشرے کی بدی کے خلاف جذبہ بیدار ہوتا ہے تو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ نتائج پیدا ہو رہے ہیں، لیکن اگر عبادات کے نظام پر عمل کرنے کے باوجود معاشرہ کی ہر بدی کے ساتھ ہمارا سمجھوتہ ہو تو پھر یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ ہماری عبادات میں کوئی نقص موجود ہے۔ آج ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم نے اپنے بنیادی نظریات و مقاصد کو سمجھے بغیر دین کے مختلف احکامات کو قبول اور اختیار کیا ہوا ہے، آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم عبادات کے نظام کو اس کی بنیادی روح کو سامنے رکھ کر اختیار کریں گے تو یقیناً ہمارے اندر معاشرے کی ہر بدی کے خلاف ایک جذبہ بیدار ہوگا، مزاحمت پیدا ہوگی، یہی جذبہ اور مزاحمت درحقیقت دین پیدا کرنا چاہتا ہے، تو گویا کہ سچا مذہب وہ کہلاتا ہے کہ جو طاغوت کے خلاف مزاحمت کی سوچ پیدا کرتا ہے، اسی سے ہم سمجھ جائیں گے کہ ہم اس وقت غلامی کی بدترین کیفیت سے دوچار ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں حقیقی آزادی حاصل کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین!

دینی مسائل

اس صفحہ پر قارئین کے سوالات کے جوابات دیئے جاتے ہیں۔

از جناب مفتی عبدالغنی قاسمی
شعبہ دارالافتاء ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

(۱) سوال: روزہ کی حالت میں انجکشن لگوانا درست ہے یا نہیں؟ — غلام مصطفیٰ کیانی، لاہور

جواب: روزہ کی حالت میں انجکشن لگوانے میں کچھ حرج نہیں۔

(۲) سوال: ایک شخص اپنے کاروباری سلسلہ میں دوسرے شہر کا سفر کرتا ہے، اس کو یہ معلوم نہیں کہ اس کا کام 10 دن میں مکمل ہوگا یا 20 دن میں، تو ایسا شخص مسافر والی نماز پڑھے گا یا مقیم والی، خصوصاً جب کہ وہ اسی حالت میں پندرہ یوم سے زیادہ عرصہ گزار چکا ہے۔ — غلام مصطفیٰ کیانی، لاہور

جواب: ایسا مسافر سفر والی نماز ادا کرے گا، اگرچہ عرصہ تک اس شہر میں رہے، البتہ اگر وہ پندرہ یوم کسی شہر میں قیام کی نیت کرلے تو وہ مقیم والی نماز ادا کرے گا۔

(۳) سوال: وتر کی جماعت میں تیسری رکعت پر اگر مقتدی دعائے قنوت کی تکبیر کے بعد بھول کر رکوع میں چلا جائے تو کیا کرے؟۔ — محمد صادق، پشاور

جواب: ایسا مقتدی امام کی اقتداء میں کھڑا ہو کر دعائے قنوت پڑھے۔

(۴) سوال: کیا صدقہ فطر کی رقم سے دینی مدارس کی تعمیر جائز ہے۔ — قاری دل نواز، اسلام آباد

جواب: صدقہ فطر کا پیسہ مدرسہ کی تعمیر پر خرچ کرنا درست نہیں، صدقہ فطر کی مستحقین میں تقسیم ضروری ہے۔

(۵) سوال: ایک شخص مقروض ہے اور زکوٰۃ کا مستحق ہے، جب کہ اس کی اہلیہ طلائی زیورات کی مالک ہونے کی وجہ سے صاحب نصاب ہے اور زکوٰۃ اس پر واجب ہے۔ کیا اس کی اہلیہ شوہر کو اپنی زکوٰۃ دے سکتی ہے؟ — عبداللہ، لاہور

جواب: اگر شوہر زکوٰۃ کا مستحق ہو اور اس کی اہلیہ صاحبِ نصاب مالدار ہے تو وہ اپنی زکوٰۃ شوہر کو دے سکتی ہے۔

(۶) سوال: رمضان المبارک کے بعد شوال المکرّم کے چھ روزے مسنون ہیں، کیا ان روزوں کو عید کے اگلے دن سے ہی شروع کرنا اور لگاتار رکھنا مسنون ہے؟ — صابر ضمیر صدیقی، چکوال

جواب: شوال المکرّم کے چھ روزوں کی فضیلت حدیث میں بیان ہوئی ہے، ان روزوں کو پورے مہینے جب آسانی ہو مکمل کیا جاسکتا ہے۔

(۷) سوال: ایک شخص نمازِ جنازہ کی تیسری تکبیر میں شامل ہوا ہے، اس کو نمازِ جنازہ کیسے مکمل کرنی چاہیے۔ — عثمان غنی، لاہور

جواب: نمازِ جنازہ کی تیسری تکبیر میں شامل ہونے والا تکبیر کہنے کے بعد امام کے ساتھ میت کے لیے دعائے مسنون پڑھے گا۔ رہ جانے والی تکبیرات امام کے فارغ ہونے کے بعد ادا کرے، جس کا طریقہ یہ ہے کہ امام کے فارغ ہونے کے بعد پہلی تکبیر اور ثنا پھر دوسری تکبیر کہہ کر درود شریف پڑھے گا۔ اور سلام پھیرے گا۔

(۹) سوال: زکوٰۃ کے حساب کے لیے تاریخ معینہ کا اعتبار ہے یا مہینہ کا؟ کیوں کہ ان دونوں میں بڑا فرق ہوجاتا ہے، شرعاً کیا حکم ہے؟ تاریخ مقرر کرے یا ماہ؟ — سجاد الٰہی، لاہور

جواب: زکوٰۃ کے حساب کے لیے تاریخ کا اعتبار ہوگا، جس تاریخ کو سال پورا ہوجائے اسی تاریخ میں زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اور آئندہ سال کے لیے بھی اسی تاریخ کا اعتبار ہوگا، جس تاریخ پر گزشتہ سال زکوٰۃ واجب ہوئی تھی۔ نوٹ: زکوٰۃ و دیگر عبادات میں قمری سال کا اعتبار کیا جائے گا۔

(۱۰) سوال: ایک شخص نے نمازِ فجر کی سنت نہیں پڑھی اور فرض میں شریک ہوگیا۔ اب وہ سنت کس وقت پڑھے گا۔ — نفیس مبارک ہمدانی، قصور

جواب: فجر کی سنت اگر فرض نماز سے پہلے ادا نہیں کی تو آفتاب نکلنے کے بعد پڑھے۔

www.rahimia.org